’’شَرَائِعُ مَنْ قَبْلَنَا‘‘ اور اُن کا حکم

مولانا انعام اللہ
فاضلِ جامعہ وچیف ریسرچ آفیسر اسلامی نظریاتی کونسل

(پانچویں قسط)

پہلے مسلک کی تائید میں پیش کردہ استدلالات کے جوابات

پہلی آیتِ کریمہ سے استدلال کا جواب

امام غزالیؒ رقم طراز ہیں:

’’أُولٰئِکَ الَّذِیْنَ ھَدٰی اللّٰہُ فَبِھُدَاھُمُ اقْتَدِہْ‘‘ (الأنعام:۹۰) قلنا أراد بالھدی التوحید، ودلالۃ الأدلۃ العقلیۃ علی وحدانیتہٖ وصفاتہٖ بدلیلین: أحدھما: أنہٗ قال: ’’فَبِھُدَاھُمُ اقْتَدِہْ‘‘ (الأنعام:۹۰) ولم یقل بھم، وإنما ھداھم الأدلۃ التی لیست منسوبۃ إلیھم، أما الشرع فمنسوب إلیھم فیکون اتباعھم فیہ اقتداء بھم. الثانی: أنہٗ کیف أمر بجمیع شرائعھم وھی مختلفۃ وناسخۃ ومنسوخۃ ومتی بحث عن جمیع ذٰلک، وشرائعھم کثیرۃ، فدل علی أنہٗ أراد الھدی المشترک بین جمیعھم وھو التوحید۔‘‘(۱)

’’أُولٰئِکَ الَّذِیْنَ ‘‘ والی آیتِ کریمہ میں ’ہدی‘‘ سے توحید اور اللہ کی وحدانیت اور صفات پر دلائلِ عقلیہ کی دلالت مراد ہے۔ اس بات کی دو دلیلیں ہیں: پہلی دلیل یہ کہ: ’’فَبِھُدَاھُمُ اقْتَدِہْ ‘‘ (یعنی ان کی ہدایت کی اقتداء) فرمایا، ’’بِھِمْ‘‘ (ان کی اقتداء) نہیں فرمایا اور انبیاء کرام علیہم السلام کی ہدایت سے مراد دلائل ہیں، جو اُن کی طرف منسوب نہیں، جبکہ شریعت ان کی طرف منسوب ہے، پس شریعت میں پیروی ان انبیاء علیہم السلام کی اقتداء ہوگی، (ان کی ’’ھُدٰی‘‘ کی پیروی نہیں ہوگی)۔ دوسری دلیل یہ کہ: تمام شرائع کی اقتداء کا حکم دینا کیونکر ممکن ہے، جبکہ وہ شرائع باہم مختلف ہیں، ان میں ناسخ ومنسوخ پائے جاتے ہیں، اور کب آپ نے ان تمام شرائع کو تلاش کیا، جبکہ شریعتیں لاتعداد ہیں۔ یہ اس بات کی دلیل

ہے کہ مراد وہ ''هُدٰی'' (ہدایت) ہے جو سب کے درمیان مشترک ہے، اور وہ توحید ہے۔''

حاصل جواب یہ ہے کہ آپ کو جس ''هُدٰی'' (ہدایت) کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے، اس سے مراد عقائد، بالخصوص عقیدۂ توحید ہے، جو تمام انبیاء علیہم السلام کے درمیان مشترک ہے۔ آپ کو شرائع کی پیروی کا حکم نہیں ہے، اس لیے کہ شرائع مختلف ہیں، اس لیے اس آیتِ کریمہ سے شرائع کی پیروی پر استدلال درست نہیں۔

دوسری آیتِ کریمہ سے استدلال کا جواب:

دوسرے استدلال کا امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے حسبِ ذیل عبارت میں جواب دیا ہے:

''ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْکَ أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا '' (النحل:۱۲۳) وهٰذا يتمسک به من نسبهٗ إلى إبراهيم – عليه السلام – وتعارضهٗ الآية الأولى. ثم لا حجة فيها إذ قال: ''أَوْحَيْنَا إِلَيْکَ '' (النحل:۱۲۳) فوجب بما أوحى إليه لا بما أوحى إلى غيره وقوله: ''أَنِ اتَّبِعْ '' (النحل:۱۲۳) أي: افعل مثل فعله، وليس معناه كن متبعًا لهٗ وواحدًا من أمته، كيف والملة عبارة عن أصل الدين والتوحيد والتقديس الذى تتفق فيه جميع الشرائع؟ ولذٰلک قال تعالٰى: ''وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ إِبْرَاهِيمَ إِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ'' (البقرة:۱۳۰) ولا يجوز تسفيه الأنبياء المخالفين لهٗ. ويدل عليه أنهٗ لم يبحث عن ملة إبراهيم، وكيف كان يبحث مع اندراس كتابه وإسناد أخباره؟۔''(۲)

''مخالف کے قول کے مطابق یہ آیتِ کریمہ پچھلے استدلال میں مذکور آیتِ کریمہ سے متعارض ہوگی، اس لیے کہ پہلی والی آیتِ کریمہ میں تمام انبیاء علیہم السلام کی شرائع کی پیروی کا حکم ہے اور دوسری میں صرف شریعتِ ابراہیمیہ کی پیروی کا حکم ہے، جبکہ جمہور کے موقف کے مطابق ''هُدٰی'' اور ''مِلَّة'' دونوں سے مراد توحید اور بنیادی عقائد ہیں، جن میں تمام شرائع متفق ہیں، اور دونوں آیات میں انہی بنیادی متفق علیہ عقائد کی پیروی کا حکم ہے۔ دوسرا یہ کہ ملتِ ابراہیمی کی اتباع سے مراد یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام جیسا طریقہ کار اپنائے۔ یہ معنی نہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کی امت میں سے ایک فرد بن کر ان کی شریعت کی پیروی کریں، ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم شریعتِ ابراہیمیہ کے احکام کو تلاش کرکے اس کی پیروی شروع فرماتے، حالانکہ اس کی کوئی دلیل نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا ہو۔ پھر خود اسی آیت میں صراحۃً مذکور ہے: ''ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْکَ '' یعنی آپ کی طرف آنے والی وحی کی بنیاد پر آپ ملتِ ابراہیمی کی پیروی کریں، نہ کہ ابراہیم علیہ السلام کی طرف آنے والی وحی کی بنیاد پر، پس اگر آپ نے کچھ احکام میں ملتِ ابراہیمی کی پیروی فرمائی ہے تو اپنی شریعت کی حیثیت سے، نہ کہ ابراہیمی شریعت کی حیثیت سے، اس لیے اس آیتِ کریمہ سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ

آپ کو اپنی وحی والی شریعت کی پیروی کا حکم ہے۔‘‘

حاصلِ جواب یہ ہے کہ آیتِ کریمہ اگر ملتِ ابراہیمی کی پیروی کو لازم قرار دینے پر دال ہو، تو ان آیات سے متعارض ہوگی، جن سے مخالف نے پچھلی تمام شرائع کی پیروی لازم ہونے پر استدلال کیا ہے۔ نیز مخالف نے آیتِ کریمہ کا مطلب غلط سمجھا ہے۔

تیسری آیتِ کریمہ سے استدلال کا جواب

’’الآیۃ الثالثۃ: قولہٗ تعالٰی: ’’شَرَعَ لَکُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰی بِہٖ نُوْحًا‘‘ (الشوریٰ:۱۳) وھٰذا یتمسک بہٖ من نسبۃ إلٰی نوح - علیہ السلام - وھو فاسد، إذ تعارضہ الآیتان السابقتان. ثم الدین عبارۃ عن أصل التوحید، وإنما خصص نوحًا بالذکر تشریفًا لہٗ وتخصیصًا، ومتی راجع رسول اللّٰہ - صلی اللّٰہ علیہ وسلم - تفصیل شرع نوح؟ وکیف أمکن ذٰلک مع أنہٗ أقدم الأنبیاء وأشد الشرائع اندراسا؟ کیف وقد قال تعالٰی: ’’شَرَعَ لَکُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰی بِہٖ نُوْحًا‘‘ (الشوریٰ:۱۳)فلو قال: ’’شرع لنوح ما وصاکم بہ‘‘ لکان ربما دل ھذا علٰی غرضھم، وأما ھٰذا فیصرح بضدہٖ۔‘‘(۳)

’’حاصلِ عبارت یہ ہے کہ مخالف کے قول کے مطابق سورۂ شوریٰ کی آیتِ کریمہ کا پہلی والی دونوں آیات سے تعارض ہوگا، اس لیے کہ سورۂ انعام والی آیت میں تمام انبیاء علیہم السلام کی شریعت کی پیروی کا حکم ہے اور سورۂ نحل والی آیت میں ابراہیمی شریعت کی پیروی کا حکم ہے اور سورۂ شوریٰ والی آیت میں نوح علیہ السلام کی شریعت کی پیروی کا حکم ہے، جبکہ جمہور کے قول کے مطابق سورۂ شوریٰ والی آیت میں بھی ’’الدین‘‘ سے بنیادی عقائد مراد ہیں، جن میں تمام انبیاء کرام علیہم السلام متفق ہیں، اور اس کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے۔ تیسرا یہ کہ نوح علیہ السلام کی شریعت کے احکام غیر معلوم تھے اور یہ کسی طرح ثابت نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شریعت کی کھوج لگا کر پیروی کا اہتمام کیا ہو۔ اگر یوں کہہ دیا جاتا کہ نوح علیہ السلام کی شریعت وہی تھی، جس کی پیروی کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے، تو شاید کسی حد تک ان کے دعوی پر دلیل ہوتی، جبکہ موجودہ آیتِ کریمہ تو اس دعوی کی ضد پر صراحۃً دال ہے۔‘‘

حاصلِ جواب یہ ہے کہ اس استدلال کی صحت آیاتِ کریمہ کے درمیان وجودِ تعارض کو مستلزم ہے۔ نیز آیتِ کریمہ میں مشروعیتِ دین کی یکسانیت کو بیان کیا گیا ہے، اور دین عقائد کے مجموعہ کا نام ہے، اور فروعات کے مجموعے کا نہیں، اس لیے مخالف کا استدلال بے محل ہے۔

چوتھی آیتِ کریمہ سے استدلال کا جواب

’’الآیۃ الرابعۃ: قولہٗ تعالٰی: ’’إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَاۃَ فِیْھَا ھُدًی وَّنُوْرٌ یَّحْکُمُ بِھَا النَّبِیُّوْنَ‘‘ (المائدۃ:۴۴) الآیۃ، وھو أحد الأنبیاء فلیحکم بھا. واستدل بھٰذا من نسبہٗ

إلٰی موسٰی – علیه السلام – وتعارضهٗ الآیات السابقة. ثم المراد بالنور والهدی أصل التوحید وما یشترک فیه النبیون دون الأحکام المعرضة للنسخ، ثم لعلهٗ أراد النبیین فی زمانهٖ دون من بعدهم، ثم هو علی صیغة الخبر لا علی صیغة الأمر فلا حجة فیه ، ثم یجوز أن یکون المراد حکم النبیین بها بأمر ابتدأهم بهٖ اللّٰه تعالٰی وحیًا إلیهم لا بوحی موسٰی – علیه السلام –۔''(۴)

''حاصلِ جواب یہ ہے کہ اس آیت سے استدلال میں بھی تمام وہ احتمالات موجود ہیں، جو پچھلی آیات میں تھے، یعنی مخالف کی تشریح کے مطابق اس آیتِ کریمہ کا دیگر تینوں آیاتِ کریمہ سے تعارض ہوگا، اس لیے یہاں بھی مشترکات (عقائد) مراد ہیں، قابلِ نسخ احکام مراد نہیں۔ یہ بھی احتمال ہے کہ 'یَحْکُمُ بِهَا النَّبِیُّوْنَ' سے مراد موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے انبیاء مراد ہوں نہ کہ بعد میں آنے والے۔ مزید برآں! آیت میں خبر ہے، امر نہیں، جیسا کہ یہ احتمال ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اس شریعت کی پیروی کرتے تھے، لیکن اپنی شریعت کی حیثیت سے، نہ کہ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کی حیثیت سے۔''

ان تمام جوابات کا خلاصہ یہ ہوا کہ قرآن مجید کی کسی بھی آیت میں اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پچھلے انبیاء کرام علیہم السلام پر ایمان لانے، ان کی پیروی کرنے، ان کے طریقہ پر چلنے اور ان کی طرف نازل ہونے والی وحی کو اپنانے کا حکم دیا گیا ہے، تو اس سے بنیادی عقائد، متفق علیہ مشترکات اور غیر قابل النسخ محکمات مراد ہیں، ورنہ قرآنی آیات میں تعارض کی صورت سامنے آئے گی۔ مزید برآں! اکثر آیاتِ کریمہ صراحۃً اس بات پر دلالت کررہی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس شریعت کی پیروی کے پابند ہیں، جو آپ پر نازل ہوئی ہے۔ پس یہ آیاتِ کریمہ جمہور کے مؤقف کی مؤید ہیں، نہ کہ اس مؤقف کی کہ شرائع میں اصل استمرار وبقاء ہے۔

پہلی حدیث سے استدلال کا جواب

''قلنا: بل فیه 'فَمَنِ اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ'۔'' (البقرۃ:۱۹۴)

حضرت انس بن النضر رضی اللہ عنہ کی بہن حضرت ربیع رضی اللہ عنہا کے واقعے سے استدلال کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ ایک تو قرآن مجید کی 'فَمَنِ اعْتَدٰی' والی آیت کے عموم میں دانت کے قصاص کا حکم شامل ہے۔ (۵) دوسرا یہ کہ جب تورات والے احکامِ قصاص کو بغیر کسی نکیر یا تردید کے قرآن مجید میں نقل کردیا گیا تو اب وہی احکام' شریعتِ قرآنیہ وشریعتِ محمدیہ کے احکام بن گئے اور اسی حیثیت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت اس کی پیروی کی پابند ہیں، نہ کہ شریعتِ موسویہ کی حیثیت سے۔

دوسری حدیث سے استدلال کا جواب

''قلنا: ما ذکرهٗ – صلی اللّٰه علیه وسلم – تعلیلاً للإیجاب، لکن أوجب بما أوحی إلیه ونبه علی أنهم أمروا کما أمر موسٰی وقوله 'لِذِکْرِیْ'' (طٰہٰ:۱۴)أی:

لذکر إیجابی للصلاۃ، ولولا الخبر لکان السابق إلی الفھم أنہٗ لذکر اللّٰہ تعالٰی بالقلب أو لذکر الصلاۃ بالإیجاب۔ ‘‘(۶)

’’یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ طٰہٰ کی آیتِ کریمہ کو نماز واجب ہونے کی علت اور وجہ کے طور پر ذکر نہیں فرمایا، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو وحی آئی تھی، اس کے بموجب فرمایا کہ: جب نماز یاد آئے تو اس کو پڑھ لیں۔ آیت نقل کرنے سے اس طرف توجہ دلائی کہ اس اُمت کو نماز کا حکم اس طرح دیا گیا ہے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا گیا تھا۔‘‘

تیسری حدیث سے استدلال کا جواب

’’الحدیث الثالث: مراجعتہٗ - صلی اللّٰہ علیہ وسلم - التوراۃَ فی رجم الیھودیین وکان ذٰلک تکذیبًا لھم فی إنکار الرجم، إذ کان یجب أن یراجع الإنجیل فإنہٗ آخر ما أنزل اللّٰہ، فلذٰلک لم یراجع فی واقعۃ سوی ھذہٖ، واللّٰہ أعلم۔‘‘(۷)

’’حاصلِ جواب یہ ہے کہ رجم کے حکم سے انکار میں یہود کے جھوٹ کو ثابت کرنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تورات منگوانا اگر اس نظریے پر مبنی ہوتا کہ ’’شَرَائِعُ مَنْ قَبْلَنَا‘‘ کے احکام کی پیروی ہمارے اوپر لازم ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم انجیل منگوا لیتے، اس لیے کہ ’’شَرَائِعُ مَنْ قَبْلَنَا‘‘ میں باعتبارِ نزول آخری کتاب انجیل تھی، نہ کہ تورات۔ مزید برآں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعہ کے علاوہ کسی اور موقع پر تورات نہیں منگوائی، جو اس بات کی دلیل ہے کہ اس موقع پر تورات منگوانا اس نظریے پر مبنی نہیں کہ شرائع میں اصل استمرار ہے۔‘‘

اس واقعہ سے استدلال کا اصل جواب یہ ہے کہ اس وقت جرم زنا کی سزا کا یہودیوں پر اجراء اور تنفیذ مقصود تھی، جو اُن کی شریعت کی روشنی میں کی گئی، مسلمانوں پر سزا کی تنفیذ مقصود نہیں تھی اور نہ کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تورات والی شریعت کے احکام کا مسلمانوں پر اجراء کیا ہے، جبکہ زیرِ بحث مسئلہ یہ ہے کہ کیا ’’شَرَائِعُ مَنْ قَبْلَنَا‘‘ مسلمانوں کے لیے اب بھی شریعت ہے؟ یا ہم صرف شریعتِ محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کی پیروی کے پابند ہیں؟ اس لیے اس واقعہ سے زیرِ بحث مسئلہ پر استدلال بے محل ہے۔

حواشی وحوالہ جات

۱:......المستصفی، لأبی حامد محمد بن محمد الغزالی، م: ۵۰۵ھ، ج:۱، ص: ۱۶۵-۱۶۸-۲۴۶۔
۲:......حوالہ مذکورہ، ج:۱، ص: ۱۶۵-۱۶۸۔
۳:......حوالہ مذکورہ، ج:۱، ص: ۱۶۵-۱۶۸۔
۴:......حوالہ مذکورہ، ج:۱، ص: ۱۶۵-۱۶۸۔
۵:......حوالہ مذکورہ، ج:۱، ص: ۲۵۹۔
۶:......حوالہ مذکورہ، ج:۱، ص: ۲۶۰۔
۷:......حوالہ مذکورہ، ج:۱، ص: ۲۶۰۔

(جاری ہے)